تحریر: ڈاکٹر محمد ابو شہبہ مکۃ المکرمہ ترجمہ: مولانا سیف الرحمان الفلاح

حدیث نبوی دین میں حجت ہے

اس سے انحراف بے دینی اور الحاد ہے

زمانہ طالب علمی میں جب یہ حدیث پڑھی "من احیا سنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید" یعنی جو شخص میری امت میں فتنہ و فساد کے موقعہ پر میری سنت کا احیاء کرے گا تو اسے سو شہید کے برابر ثواب ملے گا۔ اس وقت نوعمری کا زمانہ تھا۔ علم و عقل میں پختگی نہیں تھی۔ بنا بریں یہ بات میرے فہم و ادراک سے بالاتر رہی کہ ایک چھوٹی سی سنت جیسے رفع الیدین فی الصلوٰۃ وغیرہ پر عمل کرنے سے سو شہید کا ثواب کیسے ملے گا آج سب کچھ معلوم ہو رہا ہے اور عقل و دانش اس امر کے گواہ ہیں کہ واقعی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے احیاء میں اتنا ثواب ہونا چاہیے۔

چنانچہ آج کے دور میں جسے جدید دور سے تعبیر کیا جاتا ہے جس قدر سنت نبوی سے بے اعتنائی برتی جا رہی ہے اتنی کسی اور چیز سے نہیں برتی جا رہی چنانچہ بعض لوگوں کو سنت نبوی کی پیروی کرنے کی وجہ سے مسجدوں سے نکالا گیا اور سنت سے انکار و انحراف کی واحد وجہ یہ ہے کہ ان کے امام صاحب سے یوں نماز پڑھنا ثابت نہیں۔

کچھ لوگ حدیث اور سنت کے معاملہ میں اس قدر افراط اور غلو سے کام لیتے ہیں کہ ہر عربی عبارت کو حدیث تصور کرتے ہیں۔ ہر قصہ کہانی کی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معجزہ، کوئی واقعہ یا کوئی فرمان سنتے ہیں تو اسے آنکھیں بند کر کے حدیث نبوی تصور کرتے ہیں اور اسے تسلیم نہ کرنے والے پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا منکر ہے۔ یہ گستاخ اور بے ادب ہے، وغیرہ۔ بعض سراسر موضوع احادیث کو صحیح مرفوع احادیث سے مقدم سمجھتے ہیں۔

چنانچہ محدثین نے صحیح اور موضوع احادیث کی تمیز کرنے کے لیے چند اصول مقرر کیے۔ ان

کے مطابق حدیث کی جرح قدح کرنے کے بعد اگر ان کے اصولوں کے مطابق پوری اتری تو اسے صحیح تصور کیا اور اس میں کوئی نقص یا خامی نظر آئی تو اس پر ضعف کا حکم لگایا۔ اگر کلیۃً ان اصولوں کے خلاف نظر آئی تو اسے موضوع قرار دیا۔ یہ ایک وسیع علم ہے۔ اس کے لیے نہایت جانفشانی سے کام لینا پڑتا ہے۔ پھر گوہر مقصود حاصل ہوتا ہے۔

بعض لوگ سنتِ نبوی سے انحراف کے لیے یہ بہانہ تراشتے ہیں کہ یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے ارشاد فرمایا تھا۔ اس وقت کے واقعات اور ملفوظات کو محفوظ رکھنے کے لیے سوائے انسانی دماغ کے اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ وہ اسے محفوظ رکھنے کے قابل نہیں۔ جب ہم کسی شخص کی کلام سنتے ہیں تو اس کے الفاظ بعینہٖ ہمارے دماغ میں محفوظ نہیں رہتے۔ پھر جب ہم کسی اور کو یہی کلام سناتے ہیں تو وہ بھی بعینہٖ ہماری کلام کو یاد رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس طرح تیسرے شخص تک پہنچنے کے بعد واقعہ کے اصل الفاظ اور مفہوم بالکل بدل جاتے ہیں اور آج چودہ سو سال کے بعد ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے ہیں۔ بنا بریں حدیث ظنی اور ناقابلِ عمل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ان لوگوں کے لیے تھے جن میں آپ تشریف لائے تھے۔ آج دنیا کے طور واطوار بدل چکے ہیں

دعائے صحت کے لیے اپیل

راغب شیخوپوری صاحب کے والد محترم استاذ العلماء بقیۃ السلف حضرۃ مولانا عمر الدین صاحب مہتمم ضلع دھیر داڈوگراں ضلع شیخوپورہ والے عرصہ سے علیل ہیں اور آج کل صاحب فراش ہیں۔ احباب اہل حدیث سے بالعموم اور اُن کے فیض یافتگان سے بالخصوص درخواست ہے کہ وہ مولانا موصوف کے لیے خلوصِ قلب سے دعاء فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت عاجلہ و کاملہ عطاء فرمائے۔ اور حیات آسودگی اور راحت نصیب فرمائے۔

آمین ثم آمین

تہذیب و تمدن میں دنیا کہیں سے کہیں پہنچ چکی ہے۔ اس لیے آج آپ کے وہ فرمودات جو عرب کے جاہل بدوؤں کے لیے تھے ہمارے لیے کچھ سود مند نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ بہانہ سازی اور حیلہ تراشی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے ناخواندہ لوگوں کے لیے تشریف لائے تھے یا تمام روئے زمین پر قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو صرف عرب کے بدوؤں تک محدود سمجھا جائے تو پھر اللہ کا فرمان قل یا یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا کا کیا مطلب ہوا؟ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین کے کیا معنی ہوں گے۔ اگر آپ کی رسالت قیامت تک کے لوگوں کے لیے ہے تو پھر آپ کی سنت سے گریز کیوں؟ اگر سنت سے انحراف کیا جائے تو پھر رسالت تسلیم کرنے کا کیا مطلب ہوا؟ اور "وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا" پر کیسے عمل ہوگا؟ اس لیے سنت نبوی کو دین میں حجت تسلیم کرنا پڑے گا بلکہ حقیقتاً دین یہی ہے۔ جیسے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

مصطفیٰ برساں خویش کہ دین ہمہ اوست ۔۔۔ اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

چنانچہ اسی سلسلہ میں ڈاکٹر محمد ابو شہبہ کا مضمون الاستغناء بالقرآن عن السنۃ جہل وحماقۃ مجلہ "رابطہ عالم اسلامی" کے کچھ شماروں میں ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔ وہ اردو کے قالب میں ڈھال کر قارئین کرام کے مطالعہ کے لیے اور احیاء سنت کا ثواب حاصل کرنے کی غرض سے پیش خدمت ہے۔

(سیف الرحمان الفلاح بی۔اے)

دین میں سنتِ نبوی سے روگردانی

جہالت اور الحاد ہے۔

اس اہم بحث کا آغاز کرنے سے پیشتر جس کی مسلمانوں کو شدید ضرورت ہے۔ خاص کر موجودہ دور میں جس میں باطل قیاس آرائیوں اور گمراہ کن خواہشات کے ریلے چاروں طرف سے انسان کی سب سے قیمتی متاع ایمان پر یلغار کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ حق و باطل کے مابین کوئی امتیاز نہیں رہا اور صواب و خطا کی پہچان کے لیے کوئی کسوٹی نہیں رہی۔ یہ امر مستحسن معلوم

ہوتا ہے کہ ایک مقدمہ پیش کروں جس میں حدیث اور سنت کی تعریف اور ماہیت بیان کروں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان دونوں سے کیا مراد ہے اور قاری اسے حجت بنا سکے۔ تو اللہ کی توفیق اور مدد کے ساتھ میں بیان کرتا ہوں۔

حدیث کسے کہتے ہیں حدیث کے لغوی معنی نئی چیز کے ہیں۔ یہ قدیم کا ضد ہے اس کا اطلاق لوگوں کی باتوں پر بھی ہوتا ہے۔ خواہ وہ باتیں کم ہوں یا زیادہ۔

چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

ام یقولون تقولہ بل لا یومنون۔ فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین (الطور)

یا یہ (کافر) کہتے ہیں (یہ قرآن پاک اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب نہیں بلکہ) اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے من گھڑت باتیں بنائی ہیں۔ اچھا اگر وہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں تو ایسی کلام پیش کریں۔

حدیث کا اطلاق کلام پر بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ وقتاً فوقتاً معرض وجود میں آتی رہتی ہے۔

محدثین کی اصطلاح میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و افعال اور ایسے اقوال و افعال جو آپ کی موجودگی میں کیے گئے ہوں اور آپ اسے پسند فرمائیں یا ان سے منع نہ کریں یا ایسے افعال و اقوال جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نہ کیے گئے ہوں مگر جب آپ کو ان کی اطلاع ہو تو آپ خاموشی اختیار فرمائیں اور آپ کی حسن خلقت اور حسن خلق کی صفات کے مجموعہ کو حدیث کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ پھر محدثین نے حدیث کو تین اقسام میں منقسم کیا ہے۔ ۱۔ قولی حدیث۔ ۲۔ فعلی حدیث۔ ۳۔ تقریری حدیث۔

قولی حدیث:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و فرمودات قولی حدیثیں ہیں۔ ان کا شمار بہت مشکل امر ہے۔ ایسی حدیثوں کی مثال مندرجہ ذیل حدیثیں ہیں۔

۱۔ انما الاعمال بالنیات۔ صحیحین۔

۲۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ صحیحین۔

۳۔ المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا وشبک بین اصابعہ (صحیحین)

فعلی حدیث:۔ اس سے مراد وہ افعال ہیں جو آپ نے زندگی بھر کیے۔ ان کا شمار بھی ناممکن ہے۔ اس کی مثال وہ حدیثیں ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء، تیمم، غسل

اور نماز وغیرہ کی کیفیت بیان کرتی ہیں۔ جیسے امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے۔ توضا النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ مرۃ۔ صحیح بخاری ص۲۷۔

نیز حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ سے، جس کا لقب صاحب رؤیا الاذان ہے کی روایت سے بیان کیا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ مرتین مرتین ص۲۷۔

اسی کی مانند وہ حدیث ہے کہ صحابی کہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ جیسے بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں ابو قلابہ سے روایت کی ہے کہ حضرت مالک بن حویرثؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے کہا۔ سنو! میں تمھیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی خبر سناتا ہوں۔ اس وقت نماز کا وقت نہیں تھا۔ چنانچہ مالک بن حویرثؓ اٹھے اور نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہی۔ پھر دعائے استفتاح اور قرارت وغیرہ کے بعد رکوع کے لیے تکبیر پڑھی اور رکوع کیا۔ پھر قومہ کے لیے سر اوپر اٹھایا یا تھوڑی دیر قیام کرنے کے بعد سجدہ کیا۔ پھر سر اوپر اٹھایا اور تھوڑی دیر قعدہ کرنے کے بعد سر اوپر اٹھایا ..... آخر حدیث تک۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کی حکایت بیان کرنے میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں۔

تقریری حدیث: اس کی تعریف علمائے محدثین نے یوں کی ہے کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی کام کرے یا کوئی بات کرے اور آپ اس کے فعل یا قول کا انکار نہ کریں۔ یا یہ کام یا بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نہ ہو لیکن اس قول یا فعل کی آپ کو خبر پہنچ گئی ہو اور آپ اس پر خاموشی اختیار فرمائیں۔ تو یہ خاموشی اس قول و فعل کی توثیق کرتی ہے۔ اس سے اسے شرعی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ بات تو ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی غیر مشروع امر پر خاموشی اختیار کریں۔

اس کی مثال یوں ہے جیسے ابوداؤد، دار قطنی اور حاکم نے حضرت عمروؓ بن عاص کا قصہ جو جنگِ ذات السلاسل میں پیش آیا تھا، بیان کیا۔ وہ یوں ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ اس جنگ کے موقعہ پر رات کو ناپاک ہو گئے۔ اس وقت سردی سے جسم کانپ رہا تھا۔ اس لیے انھوں نے غسل نہ کیا بلکہ تیمم پر اکتفا کیا۔ اسی حالت میں باقی صحابہ کے ساتھ نماز پڑھ

ل۔ پھر جب وہ آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو صحابہ کرام نے ان کا تمام ماجرا بیان کیا۔ آپ نے پوچھا۔ اے عمروؓ تو نے جنابت کی حالت میں نماز کیوں پڑھی؟ تو نے غسل کیوں نہ کیا؟ اس نے عرض کی یا حضرت! میں نے ہلاکت کے ڈر سے غسل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔ النساءع۔

تم اپنی جانوں کو خواہ مخواہ ہلاکت کے گڑھے میں مت ڈالو۔ اللہ تعالیٰ تو تم پر مہربان ہے (وہ تمھیں ایسے حکم ہرگز نہیں دینا چاہتا جس کی تعمیل میں تم اپنی جان سے ہاتھ دھولو) یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے اور اسے کوئی سرزنش نہیں کی بلکہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے تبسم فرمایا۔

یہ بات اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو کام حضرت عمرو بن عاصؓ نے کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بنظر رضا اور استحسان دیکھا۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کتاب التیمم میں یوں باب باندھا ہے۔ باب اذا خاف الجنب علی نفسہ المرض او الموت او خاف العطش تیمم۔ پھر اس نے اصل قصہ صیغہ تضعیف کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس کی ایک اور مثال سنیے!

امام بخاریؒ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بیان کیا ہے کہ آپ ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت علیؓ موجود نہ تھے۔ حضرت فاطمہؓ سے دریافت کیا کہ حضرت علیؓ کہاں گئے ہوئے ہیں؟ انھوں نے بتایا ابا جان! وہ ناراض ہو کر گھر سے باہر چلے گئے ہیں اور دوپہر کا قیلولہ بھی میرے پاس نہیں کیا۔ چنانچہ آپ نے ان کی تلاش میں ایک آدمی بھیجا۔ وہ تلاش کرتا ہوا مسجد میں پہنچ گیا۔ وہاں پر حضرت علیؓ کو برہنہ پیٹھ سوئے ہوئے دیکھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت علیؓ مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں۔ آپؐ وہاں تشریف لائے اور حضرت علیؓ کو دیکھ کر بطور ملاطفت فرمایا۔ "اے ابوتراب اٹھو!" آپ نے حضرت علیؓ کے مسجد میں سونے پر اعتراض نہیں کیا۔ صحیح بخاری ص ۶۳

اس حدیث سے امام بخاریؒ نے یہ استدلال پکڑا ہے کہ مردوں کے لیے مسجد میں سونا جائز ہے۔ اور کتاب الصلوٰۃ میں باب باندھا ہے۔ "باب نوم الرجال فی المسجد۔

اور اسی قسم کا یہ واقعہ ہے جو امام بخاریؒ نے صحیح بخاری[1] میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ سے نکاح کرنے کے بعد جب ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ گڑیوں سے کھیل رہی ہوتیں۔ یہ گڑیاں ان کی بنی ہوئی تھیں۔ چونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو گڑیوں سے نہیں روکا۔ اس سے اس امر کی توثیق ہو گئی۔ جمہور نے اس سے یہ استدلال پکڑا ہے کہ نابالغ لڑکیوں کے لیے گڑیاں کھیلنا جائز ہے اور یہ شارع علیہ السلام کی نہایت نرمی اور شفقت کی نشانی ہے۔

خُلقی صفات: آپ سب لوگوں سے زیادہ بہادر اور زیادہ سخی تھے۔ فقیروں کے سامنے تواضع سے پیش آتے اور ان پر شفقت فرماتے۔ مسکینوں، یتیموں، بیواؤں کی مدد فرماتے اور ان پر نرمی اور شفقت سے پیش آتے، ان کے پاس بیٹھتے اور ان سے باتیں کرتے کو اپنی شان کے خلاف نہ تصور کرتے۔ آپ تمام لوگوں سے زیادہ تحمل مزاج اور بردبار تھے۔ دشمن پر غلبہ پانے کے بعد اسے معافی دے دیتے تھے اور دیگر اخلاقِ حسنہ کا مجسمہ پیکر تھے۔

خِلقی صفات: صحیح اور حسن احادیث میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید سرخی مائل تھا آپ نہ زیادہ طویل تھے نہ بہت قصیر۔ جب آپ زمین پر چلتے تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آپ اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔ آپ کے بال نہ بہت گھنگھریالے تھے نہ بالکل سیدھے۔ اس کے علاوہ آپ کی اور کئی صفات حدیثوں میں مذکور ہیں۔ صحیح بخاری باب صفۃ الرسول۔ اس معنی کے لحاظ سے حدیث کا اطلاق صرف اس پر ہو گا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو۔ بعض محدثین کی یہی رائے ہے۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے چنانچہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

بعض علما نے حدیث کی تعریف میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال کو بھی شامل کیا ہے۔ یہ ان کی اصطلاح ہے جو قبول کرنے کے لائق ہے۔ جمہور محدثین کی کارروائی بھی اس کی تصدیق کرتی ہے کیونکہ انھوں نے اپنی کتابوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال و افعال اور ان کی تقریرات کو اکٹھا کیا ہے۔

سنت: سنت کے لغوی معنی طریقہ ہے۔ "المصباح المنیر" میں ہے السنۃ الطریقۃ

---

[1] کتاب الادب باب الانبساط الی الناس والدعابۃ مع الاھل۔

یعنی سنت سے مراد طریقہ ہے۔

سنت کا اطلاق سیرت پر بھی ہوتا ہے خواہ اچھی ہو یا بری۔ لیکن مطلق سنت سے مراد اچھی سیرت ہوگی۔ جب اسے برائی کے معنی میں استعمال کیا جائے تو اس پر قید لگائی جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل فرمان اس امر کا شاہد ہے کہ یہ اچھائی اور برائی دونوں پر مشتمل ہے۔

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله ثوابها وثواب من عمل بها الی یوم القیامة ومن سن فی الاسلام سنة سیئة فعلیه وزرها ووزر من عمل بها الی یوم القیامة۔ رواہ مسلم۔

جو شخص اسلام میں اچھی عادت کا رواج ڈالتا ہے تو اسے اس کا ثواب ہوگا اور دیگر لوگ جو اس پر عمل کریں گے ان سب کا اسے ثواب ملے گا اور جو شخص اسلام میں بری عادت کو رواج دیتا ہے تو اسے اس کا گناہ ہوگا اور جو لوگ قیامت تک اس بری عادت کو جاری رکھیں گے سب کا بوجھ اسی کی گردن پر ہوگا۔

محدثین کی اصطلاح میں سنت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور جو امور آپ کی موجودگی میں کیے گئے یا جو باتیں آپ کے سامنے ہوئیں اور آپ نے ان پر خاموشی اختیار فرمائی اور آپ کی جسمانی صفات اور خلقی صفات کے مجموعے کا نام حدیث ہے۔ بعض علماء نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال و افعال کو اس میں شامل کیا ہے۔ اس کے لیے بطور استشہاد ابوداؤد اور جامع ترمذی کی وہ حدیث بیان کرتے ہیں جس کے راوی حضرت عرباض بن ساریہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔

یعنی میری اور میرے خلفائے راشدین ہدایت یافتہ کی سنت کو لازم پکڑو۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ اس لحاظ سے یہ حدیث کے ہم معنی ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور افعال کے ساتھ خاص ہے۔ اور سنت آپ کے اقوال، افعال، تقریرات، طفات، سکنات، حرکات نوم، بیداری وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے حدیث اور سنت میں خاص اور عام کی نسبت ہوگی۔ لیکن سنت کو حدیث کے ہم معنی تصور کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ میرا ذاتی رجحان بھی اس طرف ہے۔

اہل اصول کی اصطلاح میں سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریرات

کے مجموعے کا نام ہے۔ ان کی تعریف پہلے محدثین کے مانند ہے۔

فقہا کے نزدیک سنت واجب کے مقابلہ میں ہے۔ اس کے کرنے والے کو ثواب ہوتا ہے اور اس کے تارک کو کوئی سزا یا عذاب نہیں۔

شریعت کی زبان میں سنت وہ کام ہے جو بدعت کے مقابلہ میں آئے۔ اس صورت میں عام ہوگا خواہ وہ مشروع کام واجب ہو یا غیر واجب۔

یہاں پر اس سنت کے متعلق بحث کی جائے گی جو حدیث کے ہم معنی ہے اور اسی کے موافق ہے۔ اس لحاظ سے حدیث اور سنت دونوں ایک ہی مسمی کے دو نام ہیں اور دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہے۔

دین میں حدیث اور سنت کی اہمیت

شریعت اسلامیہ کا مرجع اور منبع دو امور ہیں۔

(۱) قرآن کریم (۲) حدیث نبوی۔

اصل اول: قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے تقریباً بائیس سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ نزولِ قرآن کی ڈیوٹی پر حضرت جبریل مامور تھے۔ انھوں نے لفظاً و معناً پورا قرآن پاک اللہ کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بحالت بیداری نازل کیا۔ یہ بذریعہ وحی جلی نازل ہوا۔ یہ نیند میں یا الہام کے ذریعہ سے نازل نہیں ہوا۔ اسی لیے اس کا ایک ایک حرف بعینہٖ محفوظ ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ سارا قرآن پاک اپنی امت کے کانوں تک پہنچایا اور اس میں سے ایک آیت بلکہ ایک لفظ تک نہیں چھپایا۔

یہ نہ حضرت جبریل کی کلام ہے اور نہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بلکہ یہ کلام الٰہی ہے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذمے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانا تھا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے اپنی امت کے موجود لوگوں کے کانوں تک پہنچانا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ تک اپنی آواز قرآن کریم کے ساتھ پہنچائی۔ پھر صحابہ کرامؓ سے ہزاروں تابعین نے

لہ اس کی تحقیق کے لیے "المدخل لدراسۃ القرآن" دیکھیے۔

سیکھا۔ پھر تابعین سے لاکھوں تبع تابعین نے قرآن کریم سیکھا۔ اسی طرح ہر زمانہ کے لوگوں نے سیکھا حتیٰ کہ ہمارے پاس بعینہٖ اس طرح پہنچ گیا جیسے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا۔ یہ تواتر اس کے قطعی اور یقینی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ایسا تواتر دنیا کی کسی اور کتاب کے لیے، خواہ وہ قدیم ہو یا نئی، ہرگز ثابت نہیں۔ یہ صرف قرآن پاک کو شرف حاصل ہے کہ جیسا وہ نازل ہوا قیامت تک ویسا محفوظ رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون۔ (الحجر)

ہم نے اس قرآن کریم کو نازل کیا ہے اور اس کی حفاظت کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔

اصل ثانی سنت اور حدیث: شریعت کے اصولوں میں قرآن کریم اصل اول ہے اور سنت اصل ثانی ہے۔ یہ بات اہل اصول کی اس بات کے خلاف نہیں کہ شریعت کے احکام کی بنیاد چار اصولوں پر منحصر ہے۔

۱۔ کتاب ۔۲۔ سنت ۔۳۔ اجماع ۔۴۔ قیاس۔

کیونکہ اجماع کے لیے ضروری ہے کہ وہ حقیقۃً اور نفس الامر میں قرآن کریم یا سنت نبوی سے مستند ہو۔ خواہ ہمیں ایسا معلوم نہ ہو۔ اسی طرح قیاس کے لیے بھی ضروری ہے کہ مقیس علیہ موجود ہو وہ قرآن پاک ہوگا یا حدیث۔ اس طرح شریعت اسلامیہ کا مرجع دو چیزیں رہ گئیں قرآن یا سنت یا ایسی بات جو ان دونوں کی طرف مستند ہو۔

سنت اور حدیث کی اہمیت قرآن پاک کی نظر میں

قرآن کریم کی نظر میں حدیث کا مرتبہ اس کے شارح کا ہے۔ وہ مبہم کی وضاحت کرتی ہے مجمل کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ مطلق کو مقید کرتی ہے اور عام کو خاص کرتی ہے۔ موجز کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتی ہے۔

اگر قرآن کریم تمام امور پر شرح وبسط کے ساتھ مشتمل ہوتا تو یہ موجودہ قرآن پاک سے کئی گنا بڑا ہوتا۔ اگر یہ معاملہ ہوتا تو امت کے لیے اس کا حفظ کرنا مشکل امر تھا۔ یہ صرف امت محمدیہ کو شرف حاصل ہے کہ اس نے اپنے پروردگار کی کتاب کو لفظ بلفظ یاد کیا ہوا ہے۔ پہلی امتیں اس شرف سے محروم تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو امت محمدیہ کی طرف مبعوث فرما کر ان پر بڑا احسان فرمایا۔ کیونکہ ان کے ذریعے قرآن کریم جیسی بے نظیر فصیح اور بلیغ کتاب انھیں

عنایت کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اپنے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا تو ان کی ڈیوٹی لگائی کہ اس کتاب کی تشریح اور توضیح آپ کے ذمے ہے۔ یہ کام آپ کے سپرد اس لیے کیا کہ آپ بھی دیگر انبیاء کی طرح جھوٹ، خیانت اور غلط بات کہنے سے محفوظ تھے۔ خصوصاً تبلیغ کے معاملہ میں آپ کو کبھی سہو نہیں ہوئی۔ اس سے اس امر کی تصدیق اور توثیق ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا فعلاً جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ اس کی شرح اور بیان ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔

یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته واللہ یعصمك من الناس۔ (المائدہ)

اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر جو کچھ (قرآن کریم) آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے اس معاملہ میں کوتاہی سے کام لیا تو (یاد رکھیے) آپ نے تبلیغ کا حق ادا نہیں کیا (آپ تبلیغ کے معاملہ میں کسی سے ڈریئے نہیں) اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین فما منکم من احد عنه حاجزین۔ (الحاقة)

اگر وہ ہمارے متعلق جھوٹی باتیں ذکر کرتے تو ہم انھیں دائیں ہاتھ سے پکڑ کر ان کی شاہ رگ کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی بھی ہمیں ایسا کرنے سے نہ روک سکتا۔

اس شرح اور بیان کو عادل ضبط کرنے والے صحابہ نے آپ سے نقل کیا حتیٰ کہ سنت اور حدیث کی تدوین ہوگئی۔ پھر تدوینِ حدیث کے بعد ایک طویل عرصے تک لوگوں نے بیان کیا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی وضاحت اور بیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے لگایا تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون (النحل)

ہم نے قرآن کریم آپ پر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ اس کی لوگوں کے سامنے وضاحت کریں اور لوگ اس پر غور و فکر کریں۔

یہ آیت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی وضاحت کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا تھا تاکہ آپ مختلف سائل سے اس کی تشریح کریں۔

نیز فرمانِ ایزدی ہے۔

۲۔ وانك لتهدي الى صراط مستقيم۔ صراط الله الذي له ما في السمٰوٰت وما في الارض ألا الى الله تصير الامور (الشوریٰ)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً آپ صراط مستقیم کی طرف (لوگوں کی) رہنمائی کرتے ہیں یہ اس اللہ کا راستہ ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ سنو! تمام امور کا انجام اس کی طرف لوٹتا ہے۔ یعنی اچھے اور بُرے امور کا فیصلہ وہی کرتا ہے۔

یہاں پر ہدایت سے مراد قرآن کریم اور سنت کی ہدایت ہے جو قرآن کریم کی شارح اور وضاحت کرنے والی ہے

۳۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں عام ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعوت الی اللہ کے معاملہ میں صرف قرآن پاک کی تلاوت پر اکتفا نہیں کیا کرتے تھے بلکہ قرآن پاک کے علاوہ کچھ اور وسائل بروئے کار لاتے تھے۔ ان وسائل کو حدیث اور سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ آپ اکثر اپنی قوم سے فرماتے۔ تم کلمہ پڑھ لو۔ اگر تم نے کلمہ پڑھ لیا تو عرب و عجم تمہارے زیر نگیں ہو جائیں گے۔ یہ کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے کے طریقے

آپ کبھی اپنے قول سے وضاحت فرماتے، کبھی اپنے فعل سے، کبھی قول و فعل دونوں سے۔ بعض اوقات اپنے اخلاق و اطوار سے بیان فرماتے۔ قولی بیان کی تو کئی مثالیں سابقہ سطور میں آچکی ہیں۔ فعلی بیان کی مثال جیسے حضرت مالک بن حویرثؓ کی روایت سے آنحضرتؐ کا فرمان صلوا كما رأيتموني اصلي (البخاری) یعنی جیسے مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ سے فرمایا

لتأخذوا مناسككم فاني لا ادري لعلي لا القاكم بعد حجتي هذه[1] (رواہ مسلم)

تم مجھ سے عبادات حج کے طریقے سیکھ لو کیونکہ ممکن ہے کہ میں اس حج کے بعد تم سے نہ مل سکوں۔

[1] صحیح مسلم کتاب الحج۔

جب حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا۔ کان خلقه القرآن[1] اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ اپنے اخلاق اور طور طریقے سے قرآن کریم کی تشریح کرتے ہیں۔ یہ طریقہ ہدایت کے طریقوں میں سے سب سے زیادہ کامیاب ہے۔ یہ بیان کا ایسا طریقہ ہے کہ جس سے تربیت و تہذیب اور راہنمائی میں کافی مدد ملتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ یہاں پر خلق آپ کے اقوال و افعال، سلوک و عقائد اور شرائع سبھی کو شامل ہے۔

شریعت میں سنت سے احکام کا مستقل ہونا

جس طرح سنت اور حدیث قرآن کریم کی شارح اور وضاحت کنندہ ہے اسی طرح بعض اوقات عام کو خاص کرتی ہے اور مطلق کو مقید کرتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات شریعت میں اس کی مستقل حیثیت ہوتی ہے۔ اس کی مثالیں کافی بیان کی جاسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے (اس بات کا قرآن پاک میں کہیں ذکر نہیں) اس مسئلہ پر سنت نے روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح رضاعت کے تمام قرابتی رشتہ داروں کے حرام ہونے کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے۔ سنت سے اس کی وضاحت ہوئی ہے کہ ان کا حکم بھی محرمات نسبی کا ہے۔ اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

يحرم من الرضا ما يحرم من النسب[2]۔

جو نا طے نسب کی وجہ سے حرام ہیں رضاعت سے بھی وہ سب حرام ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح درندوں میں ذی ناب کی حرمت اور پرندوں میں ذی مخلب کی حرمت اور اور سمندر کے مردار کی حلت اور جب دو گواہ نہ ہوں تو ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ کرنا وغیرہ احکام کا ذکر کتاب اللہ میں نہیں۔ ان تمام امور کا سنت نے اضافہ کیا ہے۔

قرآن کریم کو سنت کے ذریعے بیان کرنے کے طریقے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام قرآن کریم کی وضاحت بعض اوقات قولی سنت سے بیان کرتے اور بعض اوقات فعلی سنت سے یا ان دونوں سے کرتے جیسے کہ

---

[1] مسند احمد [2] صحیح مسلم۔

اکثر اہلِ علم نے قرآنِ پاک سے آپ کے اخلاق و کردار کا بیان کیا ہے۔ اس کی مثالیں سنیے۔

۱۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔

الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون (الانعام)

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے ملوث نہیں کیا ان لوگوں کو (قیامت کے روز) امن ہوگا اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

یہ آیت سن کر صحابہ کرام کانپ اٹھے اور کہنے لگے ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو۔ کیونکہ انھوں نے ظلم کو عام معنوں میں شمار کیا جو کفر اور کبیرہ و صغیرہ گناہوں پر مشتمل ہے چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے دلوں میں جو کھٹکا پیدا ہوا اس کا آپ کے سامنے ذکر کیا۔ ان کی بات سن کر آپ نے فرمایا یہاں پر ظلم سے مراد شرک ہے کیونکہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ استدلال کے طور پر قرآن کریم میں اللہ کے نیک بندے حضرت لقمان نے جو اپنے بیٹے کو نصیحت کی اس کا ذکر کیا۔

واذ قال لقمان لابنہ وھو یعظہ یابنی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم (لقمان)

چنانچہ وہ سب راضی خوشی گھر کو چلے گئے۔[1]

۲۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کے حساب کی سخت پڑتال ہوگی تو اس کو عذاب دیا جائے گا۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضؓ سخت پریشان ہوئیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا وینقلب الی اھلہ مسرورا (الانشقاق)

یعنی جس شخص کو اس کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا تو اس کا حساب آسان ہوگا (یعنی اس کے اعمال کی پڑتال نہیں ہوگی) وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی کہ حساب یسیر سے مراد اس کے اعمال پر چشم پوشی اور درگزر کرنا مراد ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضؓ خاموش ہوگئیں اور آیت کا صحیح مفہوم سمجھ لیا۔

۳۔ اسی قبیل سے ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "انا اعطینٰک الکوثر" کی تفسیر فرمائی کہ یہ جنت میں ایک نہر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر

میٹھا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کے برتنوں کی تعداد آسمان کے ستاروں کی طرح لاتعداد ہے۔[1]

سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ متعدد طرق سے مروی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ کوثر سے مراد خیر کثیر ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خیر کثیر سے تفسیر کی ہے۔ جو نبوت، قرآن پاک، توحید کی نشر و اشاعت، امت کی کثرت اور حوض کوثر وغیرہ بھلائیوں، فضائل اور خصائص پر مشتمل ہے جن کا شمار ناممکنات میں سے ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم تو دیا ہے لیکن نمازوں کی تعداد و ارکان کا ذکر نہیں کیا۔ نماز کی شرائط اور سنن اور اوقاتِ نماز کا بھی کوئی تذکرہ نہیں۔ ان تمام امور کی وضاحت سنت نبوی نے کی۔ آپ نے اپنے قول و فعل سے اس کی پوری تشریح فرمائی۔ نماز کے متعلق قرآن کریم میں مختصر ذکر ہے۔ لیکن حدیث اور سنت نے نماز کے متعلق کسی جزئی کو باقی نہیں چھوڑا۔ بلکہ ایک ایک جزئی کی پوری پوری وضاحت فرمائی۔ اس معاملہ میں آپ حدیث کی کوئی کتاب دیکھ لیں تو آپ کو پختہ یقین ہو جائے گا جیسے صحیح بخاری میں نماز کے ہر مسئلہ کی پوری پوری وضاحت ملتی ہے۔

۴۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ دینے کا حکم تو دیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ کس مال میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا کیا نصاب ہے؟ اور کتنا مال بطور زکوٰۃ دیا جائے۔ اور کب واجب ہوتی ہے؟ اسی طرح قرآن کریم نے زکوٰۃ کے مستحق لوگوں کا تفصیلاً ذکر نہیں کیا بلکہ مجملاً ذکر کیا ہے۔ سورۂ برأت کی آیت میں مصارفِ زکوٰۃ کا ذکر تو ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ زکوٰۃ لینا کس کے لیے حرام اور ناجائز ہے۔ ان تمام امور کی سنت اور حدیث نے وضاحت کی ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاءً بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز الحکیم (المائدۃ)

چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں یہ ان کے جرم کی پاداش

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر

ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ باعث عبرت ہے اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت میں چوری کی تعریف نہیں کی گئی اور نہ نصاب کا ذکر ہے کہ کتنا مال چوری کرنے پر چور کو حد لگائی جائے۔ لفظا ید کی وضاحت بھی مطلوب ہے اس سے کیا مراد ہے۔ کیا ایک ہاتھ کاٹا جائے یا دونوں کاٹے جائیں اور کس مقام سے کاٹے جائیں؟ ان تمام سوالات کو سنت کے ذریعے ہی حل کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یاایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون (المائدۃ)

اے ایمان والو! شراب، جوا، تھان بتوں کے اور پانسے (یہ سب) پلید ہیں جو شیطانی کام ہیں۔ ان سب سے بچ جاؤ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ شیطان کی تو یہ خواہش ہے کہ شراب اور جوئے سے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ابھارے اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روکے۔ کیا اب بھی تم (مذکورہ بالا گناہوں سے) باز آتے ہو یا نہیں۔

مذکورہ امور کی نہی کا ذکر تو ہے لیکن اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ خمر اور میسر کی کیا تعریف ہے۔ انصاب کسے کہتے ہیں؟ ازلام سے کیا مراد ہے؟ اور شراب پینے کی کیا حد ہے؟ حد کس چیز سے ثابت ہوتی ہے؟ حد کون لگائے؟ شراب کی کتنی مقدار پر حد واجب ہوتی ہے؟ کیا حد پوشیدہ لگائی جائے یا سرعام لگائی جائے؟ بار بار شراب پینے والے کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا توبہ سے شرابی کی حد معاف ہو جاتی ہے؟ کیا غلام اور آزاد آدمی کی حد ایک ہی ہے یا دونوں کی مختلف حدیں ہیں وغیرہ مسائل اور احکام۔ ان تمام سوالات کے جوابات سنت نے دیے ہیں اور ان معموں کو سنت نے حل کیا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ولیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین۔ (النور)

مرد زناکار اور عورت زناکار ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو حد لگانے میں نرمی سے کام مت لو کیونکہ ان کو حد لگانا اللہ کے دین میں شامل ہے (سزا دیتے وقت کسی بند کوٹھڑی میں مت دو بلکہ) بر سر عام مومنوں کے ایک گروہ کے سامنے سزا دی جائے (تاکہ تمام لوگوں کو عبرت حاصل ہو کہ بدکاری کا یہ انجام ہے)۔

اس آیت میں زناکاری کی سزا بتائی گئی ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ زنا کون سا ہے جس پر حد واجب ہوتی ہے۔ کیا حد مذکور محصن (شادی شدہ) یا غیر محصن کے لیے ہے؟ محصن اور غیر محصن کی تعریف کیا ہے؟ کوڑا کس چیز کا ہو؟ جب یہ آیت غیر محصن کے لیے ہے تو محصن کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا کوڑوں کے سوا کوئی اور سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ اگر ہے تو وہ کون سی ہے؟ کیا کوڑوں کی سزا، ملک بدر کرنا، اور ایک سال کی جلا وطنی سب اکٹھی سزائیں دی جا سکتی ہیں؟ چنانچہ سنت نے ان تمام امور پر وضاحت سے روشنی ڈالی اور تمام عقدے حل کر دیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۸۔ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔ ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم ہ الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔ (المائدہ)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں خون خرابہ کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کی مخالف سمتوں سے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں یا انھیں ملک بدر کیا جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ ہاں البتہ وہ مجرم جنھوں نے تمھارے قابو آنے سے پہلے پہلے توبہ کر لی (تو انھیں مذکورہ بالا سزاؤں سے معافی ہے توبہ کرنے والے کو معاف کر دو) کیونکہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بھی معافی دینے والا مہربان ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے محاربت کی سزا تجویز کی ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ محاربت کیا ہے، نیز "ان یقتلوا" وغیرہ احکام اختیار کے طور پر ہیں یا نوعیت بیان کرنے کے لیے آئے ہیں "ایدی" اور "ارجل" سے کیا مراد ہے؟ "من خلاف" کا کیا مطلب ہے۔ قبل القدرۃ سے کیا مراد ہے؟ کیا توبہ کرنے سے تمام حقوق ساقط ہو جاتے ہیں اور تمام گناہ معاف

ہو جاتے ہیں؛ تو سنت اور حدیث نے ہر ایک امر کی وضاحت کی اور راہزنی کرنے والے کے متعلق تمام احکام بھی بتائے۔

۹- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون ۔ الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم ۔ (النور)

جو لوگ پاکدامن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں۔ پھر اس کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہیں کر سکتے تو انھیں (تہمت لگانے کی حد) اسی کوڑے لگاؤ اور آئندہ کے لیے ان کی شہادت مت قبول کرو۔ یہ لوگ نافرمان ہیں۔ ہاں جن لوگوں نے (ارتکاب جرم یعنی تہمت لگانے کے بعد) توبہ کر لی اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ان آیات میں رمی کی حد مذکور ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ رمی سے کیا مراد ہے جس پر حد مرتب ہوتی ہے؛ محصنات کون ہیں؛ کوڑا کس چیز کا ہو؛ توبہ کا کیا مطلب ہے؛ توبہ کا اثر شہادت کے رد ہونے اور فسق دونوں پر وارد ہوتا ہے یا صرف آخری پر اثر پڑتا ہے؛ بغیر زنا کے قذف کا کیا حکم ہے؛ وغیرہ مسائل جو ان دو آیات سے متعلق ہیں۔ چنانچہ سنت اور حدیث نے مذکورہ امور میں سے ہر ایک کی پوری پوری وضاحت کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۱۰- ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ واولئک اصحٰب النار ھم فیھا خلدون (البقرۃ)

یعنی جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا پھر کفر کی حالت میں مر جائے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے۔ یہ لوگ جہنمی ہیں۔ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں ردت پر وعید مذکور ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ ردت سے کیا مراد ہے؛ ردت کن امور سے متحقق ہوتی ہے؛ دنیا اور آخرت میں حبوط کا کیا مطلب ہے؛ اس آیت میں دین سے کیا مراد ہے؛ ردت کی حد کیا ہے؛ کیا مرتد کو توبہ کے لیے تلقین کی جائے یا نہیں؛ کس مدت تک مرتد کو توبہ کرنے کے لیے نصیحت کرنے کا حکم ہے؛ کیا مرتد اور مرتدہ کا حکم ایک ہی ہے؛ کیا زندیق اور مرتد میں کچھ فرق ہے یا ایک ہی حکم ہے؛ جو بار بار توبہ توڑ کر مرتد ہو جائے اس کا

کیا حکم ہے؟ مرتد کی توبہ کیسے متحقق ہوتی ہے؟ مرتد کے مال کا کیا حکم ہے؟ اور مرتد ہونے کی صورت میں اس کے مال میں تصرف کرنے کا کیا حکم ہے؟ دیگر مباحث جن کا ذکر ردت کے ساتھ ہے۔ ان تمام سوالات کو سنت نے حل کیا ہے اور کوئی معمہ نہیں چھوڑا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وعلی الثلاثة الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیهم الارض بما رحبت وضاقت علیهم انفسهم وظنوا ان لا ملجأ من الله الا الیه - ثم تاب علیهم لیتوبوا ان الله هو التواب الرحیم - (التوبة)

اور ان تینوں کو بھی (اللہ نے معافی دے دی) جو جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے (ان کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ) ان پر زمین تنگ ہو چکی تھی باوجودیکہ یہ بہت کشادہ تھی اور ان پر ان کی زندگیاں دوبھر ہو گئی تھیں تو انھوں نے خیال کیا کہ اللہ کی ناراضگی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں مگر اس کے ہاں۔ پھر اللہ نے ان پر کرم کیا تاکہ وہ توبہ کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ تین اشخاص جنگ سے رہ گئے تھے مگر یہ ذکر نہیں کہ کس جنگ سے رہ گئے تھے اور ان کے اسما کیا کیا تھے؟ ان پر زمین کیسے تنگ ہو گئی باوجودیکہ وہ کشادہ تھی؟ ان کی جانیں ان کے لیے کیسے دوبھر ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کب قبول فرمائی؟ توبہ قبول ہونے کے بعد انھیں کس قدر خوشی ہوئی؟ ان سب باتوں کو حدیث نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ حضرت کعب بن مالک کی حدیث ان صحابہ کے متعلق جو جنگ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے سب حدیثوں سے لمبی شمار ہوتی ہے جن کا ذکر حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ہے۔

— اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

حافظوا علی الصلوات والصلوٰة الوسطیٰ وقوموا لله قانتین (البقرة)

اس آیت میں نمازوں کی حفاظت خصوصاً نماز وسطیٰ کی حفاظت کے متعلق ذکر ہے لیکن صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق وضاحت نہیں کی کہ اس سے مراد کونسی نماز ہے؟ چنانچہ حدیث نے اس کی تشریح اور وضاحت کی۔ چونکہ اس سلسلہ میں مختلف آثار مذکور ہیں اسی لیے علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ہر ایک نماز کے لیے وسطیٰ کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ اس سے مراد نماز عصر ہے کیونکہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنگ خندق کے موقع پر کفار نے ہمیں نماز وسطیٰ، نماز عصر سے محروم کر دیا۔ اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے

بھرے (مسلم، بخاری) لیکن بخاری میں صلوٰۃ العصر کا لفظ نہیں۔

اسی طرح سنت نے بیان کیا کہ قانتین سے مراد ساکتین (خاموش) ہے اس آیت سے نماز میں کلام کرنا ممنوع ٹھہرا۔ چنانچہ اصحاب ستہ وغیرہ نے زید بن ارقمؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز میں کلام کر لیا کرتے تھے۔ ایک آدمی نماز پڑھتا ہوا اپنے ساتھ کھڑے ہوئے سے باتیں کرنے لگتا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ قوموا للہ قانتین۔ پھر ہمیں خاموشی کا حکم ہوا اور نماز میں کلام کرنے کی ممانعت ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

۱۳۔ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم واخرین من دونھم لا تعلمونھم اللہ یعلمھم۔ وما تنفقوا من شیء فی سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون (الانفال)

(اے مسلمانو!) تم کفار کے مقابلہ کے لیے جہاں تک ممکن ہو اپنی طاقت بڑھاؤ اور گھوڑے باندھو تاکہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے۔ ان کے علاوہ ایسے دشمن جن کو تم نہیں جانتے مگر اللہ کو علم ہے ان پر بھی تمہارا رعب چھا جائے۔ تم اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا اجر ملے گا۔ تمہارا حق ہرگز نہیں مارا جائے گا۔

اس آیت میں قوت بڑھانے کا ذکر ہے لیکن قوت کی وضاحت نہیں کی گئی کہ اس سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ حدیث نے اس کی وضاحت کی۔ امام احمدؒ اور امام مسلمؒ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قوت کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپؐ نے جواباً فرمایا "قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔ قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔ قوت سے مراد تیر اندازی ہے"۔

یہاں پر مفسر کی تفسیر میں انتہائی وسعت ہے۔ اسی لیے یہ ہر زمانہ اور ہر مکان کے لوگوں کے لیے ہے۔ دراصل قوت سے مراد جنگ کے اسباب کی تیاری ہے۔ اس آیت میں اعجاز ہے کیونکہ قوت کے اسباب زمانے اور حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مطلق قوت کا ذکر کیا ہے اس میں کوئی قید نہیں لگائی کہ اس قسم کی قوت ہو۔ چنانچہ یہ آیت ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لوگوں پر صادق آتی ہے۔

اسی طرح "رمی" کا لفظ بھی اعجاز میں شامل ہے یہ بھی ہر زمانہ اور ہر مکان کے لوگوں کے لیے ہے۔ چنانچہ رمی کا لفظ تیروں اور نیزوں پر منطبق ہوتا ہے جیسے عہد اول میں تھا اور رمی سے مراد

۱۔ صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ۲۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر ۳۔ اسباب النزول للسیوطی۔

منجنیق اور توپیں بھی ہیں جیسے عہد اول کے بعد تھا۔ اور رمی سے مراد گرنیٹ، دستی بم اور ہائیڈروجن بم اور راکٹ بھی ہیں جو دور دراز علاقہ تک مار کرتے ہیں۔ سمندروں اور براعظموں کو عبور کر جاتے ہیں۔ جو آج کے دور پر منطبق ہوتا ہے۔ یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون (سجدہ)

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے، ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا جنت میں جو سامان تیار کیا ہے اسے کوئی نہیں جانتا لیکن اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میں نے اپنے نیک اور صالح بندوں کے لیے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی نے دیکھی ہیں نہ سنی اور نہ کسی کے دل میں ان کا کبھی خیال آیا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ فلا تعلم نفس ..... الایۃ۔[1]

۱۵۔ سورۂ واقعہ میں "وظل ممدود" کے الفاظ آئے ہیں۔

اس میں صرف سائے کے لمبے ہونے کا ذکر ہے۔ اس کی کیفیت مذکور نہیں لیکن حدیث نے اس کی وضاحت کی۔ چنانچہ صحیحین میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر اس کے سائے میں ایک شاہسوار تیز رفتار گھوڑے کو سو سال دوڑائے تو پھر بھی سایہ ختم نہ ہوگا۔ پھر آپ نے پڑھا۔ "وظل ممدود"۔[2]

علاوہ ازیں بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جو اس مضمون میں سما نہیں سکتیں جن کے لیے ایک بڑی کتاب چاہیے۔

اے قاری! یہ آیات جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے بطور نمونہ بیان کی گئی ہیں ان کی تفسیر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کرتے تو ہم اس کی تفسیر سمجھنے سے قاصر رہتے۔ اور نہ اس پر غور و فکر کر سکتے۔ اور قرآن کریم جو دین کا منبع اور ماخذ ہے اس کا سمجھنا ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہو جاتا۔ اس وقت یہ بہت بڑا المیہ ہوتا اور اسلام کی نشو و نما رک جاتی۔

صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ دین اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مبارک نے عمران بن حصین سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے کسی خارجی سے کہا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صرف قرآن پاک پر عمل کرنے کے دعویدار ہیں اور سنت اور حدیث

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر [2] صحیح بخاری کتاب التفسیر۔

کی پرواہ نہیں کرتے۔ تو ایک احمق ہے۔ کیا اللہ کی کتاب میں نماز ظہر کی چار رکعت کے متعلق ذکر ہے کہ ان میں قرأت جہر نہ کی جائے؟ پھر کئی اور نمازوں اور زکوٰتوں وغیرہ کا ذکر کیا۔ پھر پوچھا کیا ان کا ذکر اللہ کی کتاب میں ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ اللہ کی کتاب میں ان کا ذکر مبہم اور غیر واضح ہے۔ سنت نے ان کی تفسیر اور وضاحت کی ہے۔

امام اوزاعی نے حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو حضرت جبریلؑ سنت لے کر آتے جو اس کی تفسیر کرتی۔

مکحول، جو ثقہ تابعی ہیں، جسے زہری نے "علمائے ثلاثہ" سے شمار کیا ہے، بیان کرتے ہیں کہ قرآن کریم سنت کا زیادہ محتاج ہے بہ نسبت سنت کے جو قرآن کریم کی محتاج ہے۔

اہل سنت کے امام احمد بن حنبلؒ بیان کرتے ہیں کہ سنت کتاب اللہ کی تفسیر اور وضاحت کرتی ہے۔

امام شافعیؒ نے اپنے ایک رسالہ[1] "البیان الثالث" میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا (النساء)

نیز فرمایا۔

واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ۔

نیز ارشاد فرمایا۔

واتموا الحج والعمرۃ للہ (البقرۃ)

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس کی وضاحت کی کہ کتنی نمازیں فرض ہیں اور ان کے کیا کیا اوقات ہیں اور ان کی سنتیں کتنی ہیں وغیرہ۔ زکوٰۃ کی مقدار کیا ہے؟ کس وقت نکالی جائے؟ حج اور عمرہ کیسے کیا جائے؟ حج کب فرض ہوتا ہے اور کب معاف ہے؟ حج اور عمرہ کے احکام کب متفق اور کب مختلف ہوتے ہیں؟ اسی نوعیت کی کئی اور باتوں کا قرآن پاک میں ذکر نہیں۔ ان کی سنت سے تشریح ہوتی ہے۔ بنابریں قرآن کریم کی وضاحت سنت سے ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور تمام علمائے سنت سے قرآن کریم کی تشریح کو قرآن پاک کی طرح تسلیم کرتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

---

[1] رسالہ امام شافعی۔